بحث ونظر

حضرت مولانا محمد عیسی منصوری *

اجتہاد وقت کی اہم ضرورت

اجتہاد ختم نبوت کا ناگزیر تقاضا:

اجتہاد احکام شرعیہ کے چار بنیادی ماخذ میں سے ہے پھر یہ جناب نبی اکرمؐ پر نبوت و رسالت کا مکمل دور ختم ہونے کا ناگزیر تقاضا بھی ہے کہ قیامت تک وحی کے عدم نزول کے دور میں پیش آنے والے واقعات و مسائل کا وحی کے ساتھ رشتہ قائم رکھنے کی کوئی صورت موجود ہوتا کہ نسل انسانی ان امور میں وحی کی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہؐ پر مکمل ہو جانے والی آسمانی وحی اور قیامت تک نسل انسانی کو پیش آنے والے مسائل و مشکلات کے درمیان اسی علمی ارتباط کا نام اجتہاد ہے جس کی بدولت اسلام دنیا کے ہر خطے اور نسل اور زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک قابل العمل بلکہ واجب العمل نظام حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی شریعت کی بنیادیں:

اسلام تغیر و ثبات کا حسین امتزاج ہے ثبات کے بغیر کسی ادارے کو استحکام نصیب نہیں ہو سکتا اسی طرح تغیر حیات اجتماعی کے لئے ناگریز و سودمند ہے۔ کیونکہ زمانہ تغیر پذیر اور نمو و حرکت سے عبارت ہے اسی لئے ایک طرف وحی الہی یعنی قرآن و حدیث ثبات و دوام کا مظہر ہے لیکن چونکہ زمانہ برابر آگے بڑھتا جا رہا ہے اور زندگی کی خارجی شکلیں بدلتی رہتی ہیں نئے نئے مسائل و ضروریات برابر پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لئے اسلام نے دو اور بنیادیں فراہم کیں وہ اجماع و قیاس ہے تاکہ بدلتی ہوئی ضرورتوں اور مسائل کو وحی الہی کے ہم آہنگ کیا جاتا رہے یعنی اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنت کی روشنی و رہنمائی سے درپیش مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے حاصل کلام شریعت مطہرہ کی پہلی دو بنیادیں غیر متبدل اور الوہی اور دوسری دو عقلی اور انسانی کہی جا سکتی ہیں یعنی مجتہد قرآن و سنت میں گہری بصیرت و اجتہاد سے کام لے کر شریعت کا وہ حکم معلوم کر لیتا ہے جسے عام آدمی کی سطحی نظر نہیں پاتی۔ قرآن و سنت درحقیقت قوانین اسلامی کا ماخذ ہیں وہ اصول و کلیات دیتے ہیں۔ انہیں مستقل قوانین (Substantire Laws) کہا جا سکتا ہے مجتہدین کرام ان کی روشنی میں ہر دور کے مسائل کا حل دریافت کرتے ہیں اور انسانی تمدن کا ارتقاء اس امر کا متقاضی ہے کہ قانون سازی میں بھی

---

* چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، یو۔کے

تسلسل برقرار رہے۔ جس طرح پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ قرآن حکیم میں اصلاً فقہ کی اصول کلیات بیان کئے گئے ہیں جہاں کہیں قرآن نے جزوی فقہی مسائل بیان کئے وہاں بھی قرآن حکیم کا اصل حدف یہ ہے کہ ان جزئیات سے کلیات کا استنباط کیا جائے البتہ تشریحات نبویؐ میں ہوتی ہیں ہمیں اصول بھی ملتے ہیں اور جزئیات بھی۔ صحابہ کرامؓ میں جن صحابہ کرامؓ کا مجتہدین صحابہؓ میں شمار ہوتا ہے ان میں حضرات خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت معاذ بن جبل وغیرہ نمایاں ہیں مگر سب سے زیادہ جن صحابہ نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور ان کے فقہی مذاہب بعد کے فقہاء و مجتہدین کے لئے ماخذ قرار پائے ان میں چار صحابہ سب سے ممتاز ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

اجتہاد دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں:

الغرض اجتہاد کا یہ عمل جناب نبی اکرمؐ کے دور میں ہی شروع ہو گیا تھا لیکن نبی اکرمؐ کے اجتہادات کو چونکہ وحی الٰہی کی تائید یا سکوت کی صورت میں خود وحی الٰہی کا درجہ حاصل ہے اس لئے اصطلاحی معنوں میں اجتہاد کا آغاز حضرات صحابہ کرامؓ کے دور سے شمار کیا جاتا ہے۔ جو اس وقت سے مسلسل جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ جب رسول خداؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت امت مسلمہ کے کتب خانہ میں صرف کتاب اللہ اور آپ کی مبارک احادیث کا ہی ذخیرہ تھا خوش قسمتی سے ملت اسلامیہ کو دوسری تیسری صدی ھجری ہی میں ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل جیسے علماء فقہاء و مجتہدین میسر آ گئے جنہوں نے بروقت اسلام کی وسعت اور زمانہ تمدنی حالات سے پیدہ شدہ ہزاروں لاکھوں مسائل کا اجتہاد کے ذریعہ واضح حل پیش کر دیا۔ اور قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راہ عمل متعین کی۔

اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے متعلق عمومی غلط فہمی:

علماء کے اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے متعلق منظم پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ مولانا زاہد الراشدی رقمطراز ہیں۔ عرصہ سے اجتہاد کے بارے میں ایک بات تسلسل سے کہی جا رہی ہے کہ پہلی تین چار صدیوں کے بعد اجتہاد کا دروازہ علماء نے بند کر دیا ہے جس کی وجہ سے اب کوئی مستقل مجتہد سامنے نہیں آ رہا لیکن یہ غلط فہمی علوم و فنون کی تشکیل و تدوین کے مراحل سے بے خبری کا نتیجہ ہے ورنہ اجتہاد کا دروازہ کسی دور میں بند نہیں ہوا۔ اور تمام کمزوریوں کے باوجود یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ البتہ اجتہاد کے اصول و قواعد کی ترتیب و تدوین کا دروازہ ضرور بند ہوا ہے۔

اور یہ ایک منطقی اور فطری عمل ہے، دنیا میں مختلف علوم و فنون کے آغاز، تشکیل تدوین، ترقی و کمال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ بات سب میں مشترک نظر آتی ہے وحی کے نزول کا بعد مسلم معاشرہ کی ضرورت کے پیش نظر تمام اسلامی علوم و فنون میں یہ قدر مشترک ہے کہ پہلی دو تین صدیوں میں ہر علم و فن کے قواعد و ضوابط وضع ہوئے پھر رفتہ رفتہ اس نے ایک باضابطہ علم کی حیثیت اختیار کر لی جیسا علم نحو و صرف کے قواعد و ضوابط کی ترتیب کا ایک دور تھا۔ اس دور میں مختلف

آئمہ نحو اور ماہرین نے قواعد وضوابط وضع کئے جو قیامت تک اس علم کی بنیاد بن گئے اب ان بنیادی ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی تشریح وتعبیر اور اضافی قواعد کی تدوین کا دروازہ ضرور کھلا ہے اور ہر باصلاحیت کا حق ہے کہ وہ اس جولانگاہ میں اپنے رہوار وفکر کو جہاں تک اس کے بس میں ہو دوڑاتا چلا جائے۔ اس طرح فقہ میں مجتہدین مطلق نے شروع صدیوں میں اجتہاد کے اصول وقواعد وضوابط وقوانین وضع کر دیئے اب اجتہاد کے بنیادی قواعد وضوابط کے وضع وتدوین کا باب ضرور بند ہے اور اسے علماً وفقہا نے بند نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے فطری اور تاریخ کا تسلسل کارفرما ہے لیکن درپیش مسائل میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک ہر دور میں کھلا رہے گا۔

اجتہاد کے عمل کے ٹھہر جانے کے چند تاریخی وتمدنی عوامل واسباب:

اصل مسئلہ اجتہاد کے باب کا کھلا ہونا یا بند ہو جانا نہیں ہے بلکہ آج کے دور میں انسانی معاشرہ وتمدن کو درپیش مسائل اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی وسیع خلیج ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی اور انسانی تمدن کے روز افزوں ارتقاء کے اس دور میں ہر وقت رہنمائی کی کمی کا ہے۔ اس کا باعث اجتہاد کی بندش نہیں بلکہ اجتہاد کے جاری وساری عمل کو بروقت اور صحیح طور پر استعمال میں نہ لانا ہے مسائل حاضرہ اور اجتہادی عمل کے درمیان پائی جانے والی خلیج یا اجتہاد کے عمل کے بظاہر ٹھہر جانے اور بروقت مسائل میں رہنمائی نہ کرسکنے کے ۳ تاریخی وتمدنی عوامل و اسباب ہیں۔

۱۔ ایک ہزار سال قبل اسلامی اعتقادات واعمال پر یونانی فلسفہ کی یلغار کے دور میں ہمارے علماً نے اس فلسفہ کی ماہیت اور مضرات کا صحیح طور پر ادراک کر لیا تھا اور اس سے کماحقہ واقفیت حاصل کر کے اسی کی زبان میں اس کے توڑ اور مقابلہ کی فضا پیدا کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے یونانی فلسفہ اسلامی اعتقادات پر حملہ میں کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ مگر تقریباً دوسو برس پہلے عالم اسلام پر مغرب کی علمی وفکری اور تمدنی یلغار کے وقت جب مغرب اپنے عسکری سیاسی بالادستی' سائنسی ایجادات وانکشافات' صنعتی ترقی کے پہلو بہ پہلو لادینی فلسفہ حیات کی پیش رفت کے موقعہ پر ہمارے علمی ادارے اور شخصیات اس ہمہ جہتی یلغار کی نوعیت و ماہیت اور نفع ونقصان کا صحیح طور پر ادراک نہ کرسکے اور رازی' غزالی' ابن رشد' ابن تیمیہ کی طرح حملہ آور فلسفہ وتمدن اور مغربی علوم کا کماحقہ مطالعہ کر کے برابر کی سطح پر مقابلہ کرنے کی بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی گئی۔ علماً نے بے سروسامانی اور مقاومت کی طاقت نہ ہونے پر شروع میں وقتی حکمت عملی کے تحت دفاعی پوزیشن اختیار کی تھی اور ان کا ارادہ تیاری کر کے اقدام کرنے کا تھا مگر بدقسمتی سے بعد والوں نے اس وقتی حکمت عملی ہی کو اپنا دائمی اور اصلی موقف قرار دے دیا۔ جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے کہ مغرب کا لادینی فلسفہ امت مسلمہ کے تقریباً تمام طبقات کے ذہنوں میں غیر شعوری ارتداد کی کمین گاہیں بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے حتیٰ کہ اسلام کا فلسفہ حیات نظام افکار معاشرت ان کے لئے اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔

درپیش مسائل میں اجتہاد کی ضرورت کن لوگوں کے لئے

بدقسمتی سے گزشتہ صدی میں مغربی فکر و فلسفہ نظام تعلیم اور طرز معاشرت نے عام اسلام میں ایک ایسے طبقہ کو وجود دیا ہے جو اسلام کو از کار رفتہ اور فرسودہ خیال کرتا ہے اور اپنی زندگی عقل و خواہشات کے مطابق بسر کرنا باعث فخر سمجھتا ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ احکام الٰہی اس کی خواہشات اور من مانی طرز زندگی میں رکاوٹ ہیں تو شریعت کی پابندی سے بچنے اور رخصتوں کے حصول کے لئے اجتہاد کی بات کرنے لگتا ہے۔ مغرب زدہ یہ طبقہ آج کی اصطلاح میں ترقی پسند ماڈرن اور لبرل کہلاتا ہے۔ مگر دور نبوت کی زبان میں اسے نفاق سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ قرآن کی اصطلاح میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء اور مرضی معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی اپنی مرضی اور خواہشات پر باقی رہتا تو وہ منافق کہلاتا تھا۔ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اجتہاد کی ضرورت ان لوگوں کے لئے ہے جو حتیٰ الامکان اسلام پر عمل پیرا ہیں جدید حالات اور سائنسی و تمدنی ارتقاء سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں علماءٔ مجتہدین قرآن و سنت میں گہرے غور و خوض کے بعد ان مسائل میں وحی الٰہی کی روشنی میں رہنمائی کی ضرورت محسوس کریں نہ کہ ان لوگوں کے لئے جو اپنی خواہشات اور مغربی تمدن و طرز حیات پر مصر رہ کر اسلام میں کتر بیونت اور توڑ مروڑ کر کے رخصتوں اور آسانیوں کے خواہش مند ہیں۔ اگر اس دوران ہمارے علمی ادارے اور دینی مراکز سائنسی علوم صنعت و حرفت و ٹیکنالوجی اور مغربی علوم و فلسفہ سے واقفیت اور اس کی تعلیم کے دروازے بند نہ کر لیتے اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہی علوم کے ہتھیاروں کو ان کے مقابلہ کے لئے اختیار کرتے تو آج مغرب کا لادینی فلسفہ مسلمانوں کے اعتقادی نظریاتی قانونی معاشرتی اور تہذیبی ڈھانچہ کے لئے اس قدر کھلا چیلنج نہ بن جاتا بدقسمتی سے ایک غیر دانشمندانہ طرز عمل ہمارے علمی و دینی اداروں میں جاری ہے حملہ آور فلسفہ و نظام حیات کا مطالعہ تو دور کی بات ہے ان کی زبان تک شجرہ ممنوعہ بنی ہوئی ہے۔

دور غلامی اور دور آزادی کی ترجیحات:

دوسرا سبب گزشتہ دو صدیوں کے دور غلامی میں دینی مدارس اور ان کے نظام تعلیم کا بنیادی ہدف اسلامی عقائد، دینی علوم، مسلم معاشرت و تمدن کا تحفظ تھا اس لئے دینی مدارس کے نصاب و نظام تعلیم کی ترجیحات اسی تحفظ و دفاع کے گرد گھومتی ہیں اور معاشرت میں شرعی احکام و قوانین کی تطبیق و تنصیف ان کے اساسی اہداف میں نہیں تھی اور نہ ہیں دور غلامی کا اصل کام اپنے اسلاف کے طرز عمل پر مضبوطی سے قائم رہنا یعنی ان کی مکمل تقلید اور آزادی کی جدوجہد کرنا ہے اس لئے فطری طور پر اسلامی قوانین کی تطبیق و تنقید سے متعلقہ اجتہادی عمل دینی مدارس کی ترجیحات میں جگہ نہ پا سکا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماءٔ کی غالب اکثریت اجتہاد کی اہمیت و ضرورت معاشرہ میں اس کے حقیقی کردار اور اس کی صلاحیت و استعداد کے تقاضوں سے یکسر بے خبر ہے۔ یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے

کہ ہمارا علمی وفکری تنزل وزوال بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ اور ساتویں صدی ھجری میں تاتاریوں کی یلغار کے ساتھ علمی وفکری زوال تیزی سے گرا۔ چنانچہ محدث شہیر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی وفات پر علامہ اقبال اور مصر کی مشہور ومعروف شخصیت علامہ زاہد الکوثری نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ گزشتہ ۵ صدیوں نے حدیث فقہ اور علوم شریعت میں اسی مجتہدانہ نظر وبصیرت رکھنے والی عبقری شخصیت پیدا نہیں کی۔ عصر حاضر میں اجتہاد کا عمل کے رک جانے کی تیسری سب سے بڑی وجہ مسلم ممالک کا سیاسی انحطاط اور حکومت واقتدار کا چھن جانا ہے جب کوئی قوم عسکری وسیاسی طور پر مغلوب وشکست کھا جاتی ہے تو اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوتا کہ حکومت واقتدار سے محروم ہو جائے بلکہ اسکے اثرات مفتوح ومغلوب اقوام کے ذہن وفکر علوم وافکار تمدن ومعاشرت کے ہر تر پہلو کو محیط ہو جاتے ہیں۔ بقول اقبال:

غلامی میں نہ کام آتی ہے شمشیریں نہ تدبیریں

اجتہاد کے رک جانے کی چوتھی بڑی وجہ اقتدار کا چھن جانا:

اجتہاد کے رک جانے کی چوتھی بڑی وجہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے اقتدار کا چھن جانا ہے اور مغرب کے سیاسی غلبہ کے بعد مسلم معاشرہ پر اسلامی لاء اور قوانین نافذ نہیں رہے۔ کوئی نظام جب تک معاشرہ میں نافذ العمل رہتا ہے۔ معاشرہ کی بدلتی ہوئی صورت حال پر نظر رکھتا ہے۔ اور نئے پیش آمدہ مسائل وضروریات اور قانون میں مطابقت پیدا کرتے رہنا۔ قانون اور اس کے متعلق اداروں کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر بیشتر مسلم ممالک میں استعماری قوتوں کے تسلط کے دور میں یہ صورت قائم نہ رہ سکی ان ممالک کے قانون اور نظام بدل گیا اس صورت حال نے اسلامی احکام و قوانین کی اجتماعیت وبرتری کا تصور مجروح کر دیا۔ اب شرعی احکام وقوانین پر چلنا فرد کا ذاتی واختیاری معاملہ رہ گیا یہ انفرادیت ومحدود سوچ اجتہادی عمل پر غالب آگئی اور معاشرہ کے اجتماعی مسائل ومشکلات کو اجتہاد کے ذریعہ حل کرنے کا کوئی مربوط نظام باقی نہ رہا چونکہ علماً طویل عرصے تک دفاع وتحفظ کے نظام کے خوگر ہو چکے تھے اس لئے ان ملکوں کے آزاد ہونے کے بعد بھی ہمارے علمی ودینی ادارے دور غلامی کی ترجیحات سے پیچھا نہ چھڑا سکے۔ اور آزاد قوم وملت کے شایان شان علمی وفکری ترجیحات اختیار نہ کر سکے۔

بیسویں صدی نصف آخر میں جب عالم اسلام کو سیاسی طور پر آزادی ملی اس وقت تک ان کے ذہن وفکر مغرب کی علمی وفکری اور تمدنی غلامی میں بری طرح جکڑے جا چکے تھے اور سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ علماً نے غلامی کے دور میں عصری علوم وفنون خاص طور پر سائنس وٹیکنالوجی سے اپنے آپ کو بالکل کاٹ لیا اس طرح وہ زمانہ سے منقطع ہو گئے۔

فقہا کیلئے عصری حالات وعلوم سے آگاہی اور واقفیت کی ضرورت:

اجتہاد کے لئے بنیادی ضرورت زمانہ سے پوری طرح باخبر ہونا بھی ہے فقہا اسلام کا قول مشہور ہے

ومن لم لعرف اھل زمانه فھو جاھل جواپنے زمانے سے واقف نہ ہو وہ عالم نہیں جاہل ہے۔اس لئے کہ کسی بھی مسئلہ یا سوال کا اہم ترین حصہ اس کی ضرورت واقعہ وصورت مسئلہ یعنی سمجھنا ہے اسی لئے کہا گیا ہے: ان تصویر المسئلة نصف العلم جب صورت مسئلہ واضح نہ ہو اس وقت تک جواب صحیح نہیں دیا جاسکتا اور صورت مسئلہ کو صحیح سمجھنے کے لئے حالات حاضرہ اور مسائل جدیدہ سے واقفیت ضروری ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کے مدون امام محمد بن شیبانی کا معمول تھا کہ وہ تاجروں کے پاس بازاروں میں جاتے اور دیکھتے کہ تاجر آپس میں کس طرح معاملات کرتے ہیں۔ایک بار کسی نے پوچھا۔آپ کتاب کے آدمی ہیں یہاں کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ معلوم کرسکوں کہ تجار یا تجارت کا عرف ( ) کیا ہے۔ورنہ میں صحیح مسئلہ نہیں بتا سکتا۔ایک فقیہ کی صرف یہ ذمہ داری نہیں ہوتی کہ کہہ دے فلاں چیز حرام ہے بلکہ متبادل جائز راستہ نکال کر دینا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔فقہاء کے کلام میں یہ نظر آتا ہے کہ جہاں کہہ دیا حرام ہے پھر یہ کہتے ہیں و المخرج کذا یعنی متبادل راستہ بھی بتاتے ہیں اور یہ متبادل راستہ بتانا زمانہ کے معاملات حالات وعلوم سے کما حقہ آگاہی کے بغیر ممکن نہیں۔

ہر دور میں قانون اسلامی کی تدوین جدید کی ضرورت:

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی قانون وفقہ نہایت وسیع اور تعبیر پذیر قانون ہے وہ ایسے ابدی اور لچکدار اصول پر قائم ہے جو کبھی فرسودہ اور از کار رفتہ نہیں ہوسکتے۔جس میں زندگی کے تغیرات وترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی اور انسانی قانون بنانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ہر زمانہ میں جب کبھی ضرورت پیش آئی اور نئے مسائل پیدا ہوئے علماءٔ اسلام نے اپنے پیش وائمہ مجتہدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسائل کا صحیح حل پیش کیا اور کسی دور میں امت مسلمہ کو یہ احساس نہیں ہونے پایا کہ زندگی کے بڑھتے ہوئے مسائل کی رہنمائی سے فقہ اسلامی قاصر ہے۔حتی کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال وانحطاط کے ساتھ ساتھ علمی واجتہادی زوال شروع ہوا اور جمود وتعطل نے اجتہاد کی جگہ لے لی عصر حاضر کے عظیم مفکر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اٹھارویں صدی سے نصاب تعلیم میں جمود وتعطل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فقہ وقانون اسلامی میں توسیع واضافہ اور ان نئے مسائل میں (جو جدید اکتشافات نئی اقتصادیات اور نئی تنظیمات نے پیدا کردیئے تھے اجتہاد سے کام لینا چھوڑ دیا گیا اجتہاد جو ایک اعلیٰ نازک اور نہایت ضروری شرائط کے ساتھ بہر حال علماءٔ اسلام کا فریضہ اور بدلتے ہوئے زمانہ کی رہنمائی کا ذریعہ تھا عملاً معطل ومسدود ہوگیا اور ایک معاصر عرب عالم کے الفاظ میں علماءٔ کے نزدیک اس دروازے کا کھولنا تو شرعاً ممنوع نہیں تھا مگر جس کنجی سے کھل سکتا تھا وہ عرصہ سے گم تھی" (اسلام اور مغربیت کی کشمکش، صفحہ ۲۶۹)

مسلمانوں کے تنزل کا بنیادی سبب جہاد واجتہاد کا فقدان:

حقیقت یہ ہے کہ اس امت بالخصوص علماء امت کا نصب العین دنیا کی امامت قیادت ورہنمائی ہے۔ یہ انتہائی بڑی نازک اور وسیع صفات کو متقاضی ہے اس میں ذاتی صلاح وتقویٰ اور عدل اجتماعی کے ساتھ ساتھ جہاد واجتہاد کی اہلیت وقابلیت لازمی ہے اگر چہ یہ دولفظ نہایت سادہ اور ہلکے ہیں مگر معانی ومطالب سے لبریز جہاد سے فرار دنیا پر وحی وقانون الٰہی کے غلبہ کے لئے ہر ممکن طاقت وسائل صرف کردینا اور اجتہاد کے معنی احکام وقانون الٰہی کے غلبہ کی راہ میں جو مسائل ومشکلات درپیش ہوں ان میں وحی الٰہی کی روشنی میں مطابقت پیدا کرنا اسی لئے مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی شہرآفاق کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر میں مسلمانوں کے تنزل کے اسباب میں تنزل کا پہلا سبب پر جہاد واجتہاد کے فقدان کا عنوان قائم کیا ہے۔ جب جہاد قیامت تک جاری رہنا ہے تو لازمی طور پر اجتہاد بھی جاری رہنا چاہیے۔ اور اس جہاد کا تقاضا ہے کہ انسان اسلام سے بخوبی واقف ہو جس کی خاطر جہاد کررہا ہے اسی طرح کفر وجاہلیت جس کے خلاف جہاد کررہا ہے سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہو۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں بکھیر دے گا جس نے اسلام میں نشوونما پائی مگر وہ جاہلیت کو نہیں پہچانتا۔ اور یہ جاہلیت وکفر کی پہچان زمانہ کے حالات اور علوم وفنون سے کماحقہ واقفیت کے بغیر ممکن نہیں ایک مسلمان کی بہ نسبت علماء کے لئے زیادہ ضروری ہے کہ وہ کفر وجاہلیت کی مکمل پہچان رکھتے ہوں۔ اور یہ فریضہ زمانہ کے احوال اور عصری علوم و فنون سے منقطع ہوکر کیسے انجام دیا جاسکتا ہے۔

عصری مسائل کا بروقت واضح جواب نہ دینے کے نقصانات:

آج دنیا کے موجودہ قومی وبین الاقوامی، سیاسی، معاشی، سماجی ظروف واحوال نے سینکڑوں ہزاروں مسائل پیدا کردیئے ہیں۔ اور بدقسمتی سے علماء اسلام کی طرف سے بروقت واضح جواب اور حل سامنے نہ آنے کی وجہ سے اب لوگ اپنے طور پر راہیں نکال رہے ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔ کہ مذاہب وملل کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے موقع پر جب کبھی حاملین شریعت وماہرین فقہ نے سستی وکاہلی اور لیت ولعل سے کام لیا تو تشکک والحاد اور ذہنی انتشار کا دروازہ کھل گیا اور عوام کا حال بے نگہبان کاریوڑ کا سا ہوگیا اور لوگوں نے علماء کے فیصلہ کا انتظار کئے بغیر اپنا کام شروع کردیا پھر تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ پھر دوبارہ ان کو جادہ شریعت پر لانا انتہائی دشوار ہوگیا'' (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش)

غرض زمانہ کے انقلابات اور سائنس وٹیکنالوجی کی روزافزوں ترقیات جو بے شمار مسائل پیدا کررہی ہے اس کا واضح اور دوٹوک جواب اور حل علماء اسلام کا ایک ایسا فریضہ ہے جس سے مفر نہیں۔ موجودہ صورت حال کو ایک واضح مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ شاہرہ پر No Entry ممنوع الدخول کا بورڈ لگا دیا جائے مگر متبادل راستہ فراہم نہ کیا جائے تو راہ گزر سے کبھی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اس شاہرہ پر چلنے سے باز رہیں گے۔ فطری طور پر کسی چیز سے منع

کرنے سے پہلے اس کا متبادل پیش کیا جانا چاہیے اجتہاد کے عمل کا محدود ہو جانا جس سے معاشرہ میں شرعی قوانین کی تطبیق وتنفیذ ہوتی رہتی تھی۔ یہ چیز مسلم ممالک میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہہ دینا ہرگز کافی نہیں کہ قرآن وسنت میں سب کچھ موجود ہے بلاشبہ قرآن وسنت میں سب کچھ موجود ہے مگر اسے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ جانکاہی کر کے عصری قوانین کے طرز پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے علماء اسلام کے لئے یہ وقت کا بہت بڑا چیلنج ہے اجتہاد جیسے اہم موضوع پر شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی ورہنمائی اور فقہ کا معتدل وعصر حاضر میں قابل عمل نقطہ نظر پیش کرنے میں تاخیر سے مسلم نوجوانوں کے اذہان میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور اس سے اسلام کے عصر حاضر میں رہنمائی سے قاصر رہنے کے تصور کا عظیم مفسدہ کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے اس کی طرف فوری توجہ کرنا علماء کا اولین فریضہ ہے۔ اور دین کی عظیم ترین خدمت بھی۔

اجتہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ:

ہمارا منشاء ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے بے مثال ذخیرہ کو نظر انداز کر کے از سر نو قرآن وسنت سے قوانین وضع کئے جائیں بلکہ اس ذخیرہ کو سامنے رکھ کر اس سے پوری طرح استفادہ کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائیں جائیں۔ مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

"فقہ اسلامی کی جدید ترین توسیع کا کام کسی نئے قانون کی بنیاد رکھنے کے مترادف نہیں جس کیلئے نئے اصول وضع کرنے اور ایک چیز کو عدم سے وجود میں لانے کی ضرورت ہو اسلامی فقہ قانون کا وہ عظیم سرمایہ ہے اور انسانی ذہانت و محنت کا وہ عجیب وغریب نمونہ ہے جس کی نظر دنیا کے قانونی ذخیروں میں ملنی مشکل ہے یہ زندگی کے بہت بڑے حصے اور عصر قدیم کے اکثر حالات پر حاوی ہے صرف اس کی ضرورت ہے کہ حکیمانہ کلیات واصول (جو سراسر قرآن وحدیث پر مبنی ہیں) نئے جزئیات کا استنباط کیا جائے (اسلامیت ومغربیت کی کشمکش ص ۲۷)

علماء اسلام کے کرنے کے اصل کام:

بجائے اس کے کہ علماء مسلم ممالک کے حکام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ (جن کے ہاتھوں میں ملکوں کی باگ ڈور ہے) کو مطعون کریں کہ وہ باوجود قدرت کے اسلامی قوانین ودستور نافذ نہیں کر رہے۔ اس بات کی بڑی حد تک بجا اور درست ہونے کے باوجود اس وقت کا علمی ومثبت کام یہ ہے کہ ہر مسلم ملک سے اور بین الاقوامی طور پر جلد از جلد ایسا دستور وآئین مرتب کیا جائے جو تمام شعبہ حیات کو محیط ہو اور آج کے اٹھنے والے تمام معاشرتی تمدنی اقتصادی سائنسی سوالات کے شافی وتسلی بخش جواب پر مشتمل ہو۔

زمانے کے احوال بتا رہے ہیں کہ اب مغرب کا مکر وفریب زیادہ دن تک چلنے والا نہیں ہے مغربی تمدن اور نظامِ حیات اپنی طبعی عمر پوری کر چکا ہے۔ مغرب کے تمام فلسفوں اور نظاموں کی ناکامی اور مغرب کی اسلام دشمنی طشت

ازبام ہوچکی ہے' اور جدید تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کے ذہن سے مغرب کا سحر ٹوٹ چکا ہے۔ ہر مسلم ملک میں خاصے معتد بہ تعداد میں نوجوان سنجیدگی سے سوچنے لگے ہیں کہ مغرب کے نظام قانون واخلاق' تمدن نے انسانیت بالخصوص مشرقی ممالک کا صرف استحصال ہی کیا ہے۔ اور اسلام میں تمام انسانی مصائب کا حل اور تمام اٹھنے والے سوالات کا تسلی بخش جواب پیش کرنا ہے۔

ہر دور کے علماً وزعما کے دلوں میں اجتہاد کی ضرورت کا احساس:

برصغیر کے عظیم مفکر اور مشہور شاعر علامہ اقبال نے آج سے تقریباً پون صدی پیشتر فقہ کی تدوین جدید کے کام کی اہمیت وضرورت محسوس کر کے بجا طور پر لکھا ہے۔

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص زمانہ حال کے جورس پروڈنس (Jurisprdence) اصول قانون پر تنقیدی نظر ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا تقریباً تمام ممالک اس وقت اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور کر رہے ہیں۔ غرض یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری ناقص رائے میں اسلام گویا زمانہ کی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے۔ اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا' (اقبال نامہ حصہ اول ص ۵۰) علامہ اقبال کے دل میں اس کام کی شدید خواہش تھی اور اس کام کے لئے انہوں نے محدث شہیر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کا انتخاب کر کے علامہ کشمیری کے لئے لاہور بادشاہی مسجد کی خطابت اور اسلامیہ کالج میں شعبہ اسلامیات کی سربراہی کے لئے کوششیں شروع کردی تھیں علامہ اقبال بجا طور پر سمجھتے تھے کہ علامہ کشمیری کے سامنے زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں اور مسائل کو پیش کرنا کے لئے وہ خود سب سے زیادہ موزوں واہل ہیں مگر افسوس علامہ کشمیری لاہور آنے کا وقت نہ نکال پائے۔ کاش اس کام کی ابتداء برصغیر کی ان دو عظیم ترین شخصیات سے ہوجاتی۔ اس کے بعد بھی علماً کرام کے دلوں میں وقت کی اس عظیم ترین ضرورت کا تقاضا برابر اٹھتا رہا اور یہ مسئلہ ان کے لئے سوہان روح بنا رہا۔ چنانچہ تقریباً چالیس سال پہلے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید اور جانشین حضرت علامہ یوسف بنوریؒ نے اس مسئلہ پر نہایت دلسوزی سے علماً امت کے لئے لمحہ فکریہ کے عنوان سے طویل اور دردمندانہ مضمون تحریر فرمایا جس میں بڑی حسرت سے لکھا:

''برطانوی دور استعمار میں یہ توقعات ختم ہوگئی تھیں کہ دوبارہ اسلامی قانون کے ظل ہمایونی میں مسلمان زندگی بسر کرسکیں گے اسی لئے اس طرف توجہ نہ ہوسکی کہ یہ اکابر جدید طرز پر اسلامی قوانین مرتب فرماتے آج کی ضرورتیں ان کے پیش نظر ہوتیں تو یقیناً جس طرح سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے دور ہمایونی اور ان کی سرپرستی میں علماً امت نے فتاویٰ ہندیہ عالمگیریہ مرتب فرمائی تھی ٹھیک اسی طرز پر دور حاضر کے فتاویٰ اور تضاد کے لئے اسلامی قانون بھی مرتب فرماتے اور کم از کم (ترکی خلافت کے آخری دور کے) المجلۃ العدلیہ کے طرز پر مکمل دستور العمل تیار ہوجاتا۔ رہ

رہ کر یہ خیال آتا کہ کاش اپنے وقت کے پانچ اکابر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی' حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا سجاد بہاریؒ ایک جگہ بیٹھ کر یہ خدمت انجام دے لیتے تو آج امت کا کتنا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ (اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔)

اب ان ہستیوں کو کہاں سے لایا جائے قضیۃ و لا ابا حسن لھا بہر حال ان حضرات کے دور میں ان علمی مراکز میں اگر تربیتی ادارے قضاء افتاء وقانون اسلامی کے قائم ہو جاتے تو آج یہ پریشانی و دقت جو ہمیں پیش آ رہی ہے یہ تو نہ ہوتی۔ اب تو یہ فریضہ عہد حاضر کے علماً کے ذمہ ہی عائد ہوتا ہے۔(بینات کراچی بابت شعبان ۸۴ء ص ۵۵)

علامہ بنوری کی عصری مسائل میں اجتہاد کے لئے بیقراری:

علامہ بنوری کے نزدیک اجتہاد کے اس کام کی اہمیت اس قدر تھی کہ آپ کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے پاکستان کے مشہور سیاسی و دینی رہنما حضرت مولانا مفتی محمود تک کو مخاطب کر کے اس مضمون میں یہ الفاظ لکھے:

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ حضرت علامہ مفتی محمود صاحب ممبر قومی اسمبلی بھی انتہائی احتیاط اور دقت نظری کے ساتھ شرعی حیثیت سے جائزہ لیں بلکہ استخارہ فرمائیں کہ اس وقت دین کی اہم ترین خدمت ان کے حق میں قومی وصوبائی اسمبلیوں میں ممکنہ حد تک طاقت وعددی اکثریت حاصل کرنا ہے یا ان اہم ترین مسائل حاضرہ میں ملک کی دینی رہنمائی کرنا اور قانونِ مملکت اسلامی مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دینا ہے اس سے قبل کہ ملاحدہ وزنادقہ (تجدد پسند مغرب زدہ سیکولر عناصر) کا منظم وسرگرم کارگروہ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کو مسخ کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو۔ نیز پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ غور اور فیصلہ فرمائیں کہ قیامت کے دن وہ ان دونوں دینی کاموں سے کس کام کے ترک کرنے پر مسئول ہوں گے۔ اور کس میں معذور سمجھیں جائیں گے۔(بینات کراچی بابت شعبان ۸۲ھ ص ۶۴)

علامہ ندوی کا دردمندانہ خطاب:

قانون اسلامی کی تدوین جدید اور اجتہاد کے اس اہم فریضہ کی طرف سے علماً اسلام کی بے اعتنائی کی وجہ سے اب یہ مسئلہ مزید شدت اختیار کر گیا ہے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ندوۃ کے طلبأ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس وقت جس طبقہ کے ہاتھ میں زمام کار ہے' وہ مغربی تہذیب کو مثالی اور انسانی تجربات کی آخری منزل اور حرف آخر سمجھتا ہے اور اس کو اسلام کے نظام کے قائم مقام خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے اب اس کو دوبارہ کارگاہ حیات میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں ہے یہ ہے وہ زندہ سوال جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح اور ایک بھڑکی ہوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے اور جس کے اثر سے

کوئی طبقہ اور کوئی پڑھا لکھا انسان پورے طور سے محفوظ نہیں ہے۔ (ماہنامہ "الرشید" کا خصوصی نمبر جولائی ۲۰۰۰ء) علامہ ندوی اجتہاد کی اہمیت کو مزید ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں۔

اسلام کا مجدد کہلانے کا وہی شخص مستحق ہوگا جو اسلامی شریعت کی برتری ثابت کر کے زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور ثابت کرے کہ اسلامی قانون موجودہ وضعی قانون اور انسانوں کے تمام خودساختہ قوانین سے آگے ہیں یہ زمانہ سے آگے کی چیز ہیں۔ زمانہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور دنیا نے خواہ کتنی ہی ترقی کر لی ہو لیکن اسلامی قوانین اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے تمام سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور انسان کی زندگی کے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کے اندر موجود ہے۔ اس میں ایک بالغ معاشرہ کی تنظیم کی بہترین صلاحیت ہے۔ (ماہنامہ الرشید کا خصوصی نمبر جولائی ۲۰۰۰ء) خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس کام میں پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے اب مزید تاخیر سے اہل علم پر جو بے اعتمادی اور شکوک پیدا ہوں گے عرصہ دراز تک اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔

مسلم ممالک کی صورت حال:

بیسوی صدی میں انڈونیشا سے لے کر مراکش تک بیشتر مسلم ممالک مغربی استعمار کے سیاسی تسلط سے آزاد ہوئے اور سب جانتے ہیں کہ تقریباً ہر مسلم ملک میں آزادی و حریت کی جنگ اسلام کی سربلندی اور اس کے احکام کے اجراء قرآن و سنت کے نفاذ کے عنوان ہی سے لڑی گئی۔ یہ اسلام اور جہاد ہی کا جذبہ تھا جو آگ سے کھیلنے اور خاک و خون میں لوٹنے پر آمادہ کرتا رہا۔ مذہبی اور ایمانی جذبہ ہی نے سرفروش اور حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ متعدد مسلم ممالک میں لاکھوں نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ برصغیر میں لاکھوں افراد نے قربانی دے کر ایک خطہ زمین اسلام کے نام پر پاکستان کی صورت میں حاصل کیا۔ الجزائر نے تقریباً دس لاکھ سرفروش شہیدوں کے خون سے پروانہ آزادی لکھا۔ یہی حال کم و بیش دیگر مسلم ممالک کا ہے۔

مغربی استعمار اور اس کے استحصالی نظام سے شدید نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا ہوئے لیکن استخلاص وطن کے بعد مغرب ہی سے سارا نظام مستعار لے کر مسلم ملکوں میں نافذ کیا گیا۔ یہی داستان انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک دہرائی گئی۔ ایسا کیوں ہوا اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے پاس مرتبہ اسلامی دستور و آئین متبادل نظام تعلیم، نظام عدل، اقتصادی معاشی نظام، جو زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے، موجود نہ تھا جسے نافذ کر دیا جاتا۔ کئی مسلم ملکوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

جہاں برسہا برس سے اسلامی نظام کے نعرے لگائے جاتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی نظام کے قیام کے کام پر بے نظیر آزادی کی تحریکیں چلیں لاکھوں افراد نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ہزاروں نوجوانوں نے جان کی

بازی لگائی گمراں قربانیوں کے نتیجے میں جب آزادی ملی اور اسلام کے نام پر حکومت آئی تو اس کے پاس مغربی نظام پر انحصار کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ اسلامی دستور بنانے کے لئے اسلامی مشاورتی کونسلیں بیٹھیں۔ صحیح طور پر دیکھا جائے تو وہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ سیاسی اقتصادی تعلیمی عدالتی بنیادی ڈھانچہ بھی پورے طور پر تیار اور مرتب نہیں کر پائی ہیں۔ یہاں اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ گزشتہ دہائیوں میں مختلف ممالک میں قائم شدہ فقہی مجالس نے بہت کچھ قابل قدر کام انجام دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسے باہم مربوط کر کے پیش رفت میں مزید تیزی لائی جائے۔

ایک خطرناک پہلو:

اس بات کا عین امکان ہے کہ علماً کے اس جمود و تعطل اور بے عملی کو دیکھتے ہوئے اگر کسی مسلم ملک میں علماً سے بے نیاز ہو کر اجتہاد جیسے نازک کام کی ذمہ داری ایسے لوگوں نے خود سنبھال لی جو قرآن وسنت میں گہری بصیرت اور رسوخ فی العلم کی دولت سے عاری ہیں اور انہوں نے اپنے فہم و بساط کے مطابق اجتہاد شروع کر دیا اور اسے اسلام کے نام پر نافذ کیا گیا تو علماً اسلام کے لئے بہت بڑی آزمائش کا سامنا ہوگا۔ یہ محض ہمارا اندیشہ نہیں ہے بلکہ مختلف مسلم ممالک کے حکمرانوں نے علماً اسلام کے مقابلے پر اپنی مرضی پر چلنے والے اسکالرز وعلماً کو عرصہ دراز اس کا ٗ پر لگا رکھا ہے کہ وہ اسلام کا ایسا ایڈیشن مرتب کریں جو ان کے لئے اور ان سے آقاؤں (مغرب) کے لئے قابل قبول ہو پاکستان میں جنرل ایوب خان نے اپنے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کو مجتہد مطلق بنا کر پاکستان کے لئے ایک جدید اسلام مرتب کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ حکومت نے مسلمانوں کے اسلامی آئین کے نفاذ کے پیہم اور مسلسل مطالبات سے مجبور ہو کر پاکستان میں رائج الوقت انگریزوں کے ساختہ پرداختہ قانون کو کتاب وسنت' فقہ اسلامی کے مطابق بنانا پر مجبور ہوئی تھی تو اس نے مغرب زدہ اسکالرز وماہرین کے ذریعہ عائلی قوانین اور مسلم فیملی لاء 'قسم کا نام نہاد اسلامی قانون مملکت بنوانا چاہا جو حضرات اس کار خیر کے لئے منتخب کئے گئے ان میں سے اکثر نہ صرف قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی سے بے خبر بلکہ عربی زبان سے بھی ناواقف ونابلد تھے۔ وکلاء وماہرین قانون کو گرانقدر مشاہرے اور معاوضے دے کر من مانا قانون مرتب کرانا چاہا۔ اور اس پر اسلامی ٹھپہ لگانے کے لئے اور اپنی اغراض ومقاصد کے لئے آیات واحادیث اور کتب فقہ قضاء وافتاء کے حوالے تلاش کرانے کے لے علوم دینیہ کے بیسے بے ضمیر علماً کو بیش قرار تنخواہوں پر ان ماہرین قانون کی اعانت کے لئے رکھا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (بینات شعبان ۸۴ھ)

مغرب بالخصوص امریکہ کی حکمرانوں کے ذریعہ گہری سازش:

اب تو خیر سے جنرل مشرف صاحب اپنے آئیڈیل اور ہیرو کمال اتاترک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کو جدید اور ماڈرن مملکت بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ مشرف صاحب اس وقت امریکہ ومغرب کے سب سے لاڈلے وپسندیدہ حکمران ہیں۔ مغربی طاقتوں سے مل کر حال ہی میں طالبان کی شرعی واسلامی حکومت (اس میں دو

رائے نہیں کہ ہزار کمزوریوں کے باوجود طالبان کے دور میں قرآن وسنت ہی افغانستان کا سپریم لاء تھا) کو ختم کروانے کے کارخیر کے بعد پاکستان کے دینی مدارس اور علماء پر متوجہ ہیں ان کے وزیر داخلہ جناب معین الدین حید ر روز نامہ جنگ کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف منعقد کی گئی بین الاقوامی حالیہ کانفرنس میں فرما چکے ہیں کہ ملک کا نظام چند قاعدے پڑھے ہوئے جاہلوں (علماء) کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ امریکہ کے صدر وزیر دفاع اور وزیر خارجہ بار بار کہہ چکے ہیں پرامن اسلام کے ساتھ ہماری دوستی اور دہشت گرد اسلام سے اعلان جنگ ہے پرامن اسلام یعنی وہ اسلام جو سیکولرزم کی تعریف کے مطابق انسان کا پرائیویٹ معاملہ اور عبادات پوجاپاٹ تک محدود ہو' دہشت گرد اسلام وہ ہے جس میں جہاد واجتہاد شامل ہو یعنی اسلام بحیثیت نظام سسٹم کے قائم ہو کسی مسلم ملک کا نظام کا قانون نظام سیاست نظام تمدن واخلاق نظام اقتصادیات قرآن وسنت پر قائم ہو۔

اب اس دہشت گردی کے خلاف پوری دنیائے کفر (امریکہ روس مغرب چین بھارت اسرائیل وغیرہ وغیرہ) متحد ہوکر دنیا میں امن قائم کرنے جارہی ہے وہ اس طرح قائم ہوگا کہ دنیا کے مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ اور اسلامی آئین ونظام کے نفاذ کی خواہش کچل دی جائے یہ دنیائے کفر کی سب سے بڑی ضرورت بن گئی ہے اور سوء اتفاق سے مسلم سربراہوں کی بھی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے تاکہ ان کا اقتدار امریکہ کے ظل ہمایونی کے سایہ میں قائم ودائم رہے۔ حالیہ دنوں میں او آئی سی جو مسلم امت کے بجائے محض مغرب کے مفادات کے تحفظ کا ادارہ بن کر رہ گیا ہے جو تجاویز منظور کی ہیں ان میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ بدلتے ہوئے حالات میں اجتہاد سے کام لے کر مسائل کا حل نکالا جائے۔ حالیہ دنوں میں امریکی صدر بش نے جنرل مشرف کو سوملین ڈالر خاص اس کام کے لئے دیئے ہیں کہ پاکستان کے دینی مدارس کے نظام نصاب کو درست کیا جائے گویا خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے اگر علماء اسلام نے ابھی اس پر فوری توجہ مبذول نہ کی تو خطرہ ہے کہ اصلاح واجتہاد کے نام سے اسلام کا حلیہ نہ بگاڑ دیا جائے۔ اگر ایک بار عالمی قوتیں مسلم سربراہوں کو پریشر میں لے کر اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو علماء کرام کچھ نہ کرپائیں گے بلکہ ان کا وجود وافادیت موضوع بحث بن جائے گا۔ ع

دیکھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اجتہاد کے حوالے سے ایک نئی بحث کا آغاز:

فقہائے کرام نے اجتہاد کے لئے جن علوم کی مہارت کو شرط قرار دیا ہے ان میں (۱) قرآن کریم (۲) سنت رسولؐ (۳) اجماع امت وقیاس (۴) اقوال سلف (۵) علوم عربیت وغیرہ وغیرہ میں کامل مہارت ضروری ہے۔ ظاہر ہے اجتہاد ان علماء راسخین ہی کا حق ہے جو علم وعمل صلاح' تقویٰ کے ساتھ ساتھ ان علوم میں گہری بصیرت ودرک لکھتے ہوں مگر ایک طبقہ دور ایوبی ہی سے پاکستان میں اجتہاد کا حق علماء سے چھین کر تجدد پسند سرکاری ملازمین کو دینے کے

لئے کوشاں ہے۔ علامہ اقبال کے بعض خطبات کا سہارا لیتے ہوئے ان کا فرزند جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب اور ان کے ساتھ قانون دانوں کا ایک طبقہ مسلسل یہ موقف اختیار کیے ہوئے ہے کہ علماً کرام چونکہ آج کے علوم وفنون اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق رکھنے والے مسائل اور ان کے اسباب ونتائج سے براہ راست واقف نہیں ہوتے اس لئے ان میں اس دور کے مسائل میں اجتہاد کی اہلیت نہیں ہے اور اب اجتہاد کا یہ حق عوام کی منتخب پارلیمنٹ کو منتقل ہو جانا چاہیے۔ یہی موقف پاکستان کے بہت سے اہل قلم اور جدید دانشوروں کا ہے جن میں نمایاں روزنامہ جنگ کے ممتاز و مشہور کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی صاحب بھی ہیں۔

ارشاد احمد حقانی کا استدلال اور اس کا جواب

راقم السطور نے آج سے تقریباً دس سال قبل جناب ارشاد احمد حقانی صاحب کا موقف کے جواب میں جو لکھا تھا اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''محترم حقانی صاحب آج کل اس نظریئے کے داعی وعلمبردار بنے ہوئے ہیں کہ اسلام میں قانون سازی و اجتہاد کا حق منتخب پارلیمنٹ کو حاصل ہے، بالفاظ دیگر اسلام کی تعبیر وتشریح وہی مستند مانی جائے گی جو جمہور کی منتخب پارلیمنٹ متفقہ یا اکثریتی طور سے طے کرے اس کے برخلاف امت مسلمہ نے چودہ سو سال سے ہمیشہ اسلام کی تعبیر و تشریح اور اجتہاد کا حقدار قرآن وسنت اور علوم شرعیہ کے ماہرین علماً کرام کو سمجھا ہے۔ دور نبوی سے لے کر تا ہنوز اجتہاد اور اسلام کی تعبیر وتشریح شریعت اور علوم شرعیہ کے ماہرین ہی نے کی ہے اس پوری مدت میں ایک مثال بھی اس کے خلاف نہیں ملتی کہ کبھی بھی پوری امت مسلمہ تو درکنار کسی مسلم ملک یا قوم نے متفقہ طور پر اجتہاد کا حق ماہرین علوم شرعیہ کے علاوہ کسی اور کو دیا ہو۔ اگر کبھی ترکی کی طرح استثائی طور پر ایسا ہوا تو اسے مسلم عوام کی رضامندی حاصل نہ ہو سکی پھر جب بھی مسلم عوام کو آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حق ملا تو انہوں نے اسے رد کر دیا جیسا کہ چند سالوں سے ترکی میں ہو رہا ہے۔ وہاں مسلم عوام کمال اتاترک کے ماڈرن اسلام سے تدریجاً روایتی اسلام کی طرف رجعت قہقری کر رہے ہیں اور کمال اسلام کی ایک ایک شق کو رد کرتے جا رہے ہیں۔''

یہ بالکل سیدھی اور موٹی سی بات ہے کہ دنیا میں ہر علم وفن کے ماہرین مخصوص ہوتے ہیں ایک دل کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو مکان بنوانا ہو تو وہ اپنا علم اور تجربہ الگ رکھ کر کسی انجینئر سے مکان کا نقشہ ڈیزائن کرواتا ہے اور اس ماہر انجینئر کی کار خراب ہو جائے تو وہ کسی موٹر مکینک کی خدمات حاصل کرتا ہے یہ کہنا کہ چونکہ اسلام سب کا ہے لہذا سب ہی کو اجتہاد یا اسلام کی تعبیر وتشریح کا حق ملنا چاہیے ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ جب صحت وتندرستی کی ہر فرد بشر کو ضرورت ہے پھر میڈیکل وطب پر ڈاکٹروں اور اطبأ کے طبقہ کی اجارہ داری کیوں ہو ہر شخص کو تشخیص امراض و دواسازی کا حق ملنا چاہیے جو لوگ اجتہاد یا اسلامی قانون سازی پر طبقہ علماً کی اجارہ داری کا واویلا کرکے یہ تاثر دیتے ہیں کہ دیکھو

اسلام میں ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری قائم ہورہی ہے وہ درحقیقت ایک بہت بڑا مغالطہ دے رہے ہوتے ہیں مخصوص طبقہ کی اجارہ داری اس وقت ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ فلاں ملک قوم برادری یا نسل کے لوگ علوم شریعت حاصل نہیں کرسکتے اور برہمنوں کی طرح دینی علوم صرف فلاں نسل یا قوم کے لئے مخصوص ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں اجتہاد ایک نہایت ہی نازک اور ذمہ داری کا کام ہے کیونکہ اس پر لاکھوں کروڑوں انسانوں کے اعمال وافعال کے درست یا غلط ہونے کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عالم دین یا ہر اسلامی علوم کے ماہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے اس (اجتہاد) کے لئے بیسیوں علوم کی مہارت اور کڑی شرائط ہیں احساس ذمہ داری کے ساتھ خوف خدا تقویٰ، توکل تزکیہ واحسان جیسے باطنی اوصاف کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث، فقہ لغت، کلام عرب، اصول حدیث وتفسیر اصول فقہ، شان نزول، سیرت نبویؐ جیسے بیسوں علوم میں انتہائی مہارت درکار ہوتی ہے تاکہ خدا اور رسول کے منشاء کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے اور اس کے روشنی میں استنباط کریں گے۔ ساتھ ہی قیاس اور اب تک کے ہر ہر دور کے اجماع سے بھی پوری واقفیت ضروری ہے۔

آج ہماری پارلیمنٹ کے منتخب ممبران کا دینی علوم وشعور میں کیا حال ہے تقوی طہارت باطنی علوم کو چھوڑ یئے یہ لوگ قرآن وسنت کا کتنا علم رکھتے ہیں، ابھی پچھلے دنوں قومی اسمبلی کے معزز ممبر نے اپوزیشن کے ایک سربراہ اور لیڈر کو چیلنج دیا تھا کہ اگر موصوف نماز کے الفاظ صحیح سنا دیں تو وہ استعفیٰ دے دیں گے اور یہ واقعہ ہے کہ اگر صرف ناظرہ قرآن اور نماز میں پڑھی جانے والی چھوٹی چھوٹی سورتیں معیار قرار دے کر ان منتخب ممبران پارلیمنٹ کا امتحان لیا جائے تو اچھی خاصی تعداد فیل ہو جائے گی (روزنامہ جنگ ۲۴ اپریل 1992ء) ان لوگوں کی کرپشن قومی خزانوں کی لوٹ کھسوٹ کے قطع نظر نواز شریف اور بے نظیر دور میں جس طرح اسمبلی کے پورے پورے ممبران چند گھنٹوں میں خرید لئے گئے وہ تماشا نظروں کے سامنے ہے اس ہارس ٹریڈنگ (Horse Trading) کو روکنے کے لئے نواز شریف نے قانون سازی کر کے سارے اختیارات اس طرح اپنی ذات میں مرتکز کر لئے کہ کسی ممبر اسمبلی کو قومی اسمبلی میں ملکی مسائل پر اپنے ذاتی موقف کے اظہار تک سے روک دیا گیا۔ ہمارے مفکر ودانشور اور کالم نگاروں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ اسے لوگوں پر اجتہاد جیسے نازک وحساس کام کی ذمہ داری ڈال کر کہیں وہ دین میں تحریف کا دروزاہ تو نہیں کھول رہے۔

مطالعہ کا علم کسی علم وفن کی باقاعدہ تحصیل کا متبادل نہیں بن سکتا:

جدید دانشوروں وکلاء اور بعض اہل قلم کا موقف یہ ہے کہ اجتہاد کیلئے زمانہ کے حالات ترقیات وجدید علوم وفنون متعلقہ شعبہ زندگی کے قواعد وروایات اور وقت کے تقاضوں اور عرف سے آگاہی اصل ہے اور قرآن وسنت اور علوم شریعت میں کامل مہارت کے بجائے قرآن کریم کے تراجم احادیث کی انگلش اردو شروح وتراجم اور فقہی احکام کے ذخیرہ وافر مقدار میں میسر ہونے کی وجہ سے اصل ماخذ سے عدم واقفیت کا خلاء کسی حد تک پُر کیا جاسکتا ہے لیکن

ہمارے خیال میں ان کا یہ موقف درست نہیں ہے کیونکہ مطالعہ کا علم کسی بھی علم کی با قاعدہ تعلیم کا متبادل تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور کسی بھی علم میں لٹریچر کی فراوانی اور عام افراد تک اس کی رسائی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ لٹریچر تک رسائی رکھنے والے نے محض اس بنیاد پر اس علم میں اس درجہ کی مہارت کی سند بھی حاصل کرلی ہے جو کسی بھی علم وفن میں اجتہادی عمل کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے مثلاً آج ملک میں بہت سے افراد مل جائیں گے جن کا آئین وقانون کا مطالعہ اور ان کی تشریح کی صلاحیت متوسط درجہ کے وکلاء سے زیادہ ہے لیکن ملک کی کوئی عدالت ایسے شخص کو کسی آئینی وقانونی معاملہ میں رائے کا باقاعدہ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ اسی طرح کوئی شخص طب ومیڈیکل کتب پڑھ کر خواہ وہ کتنا ہی مطالعہ کرے نہ کوئی آپریشن کرسکتا ہے اور نہ کسی مریض کی تشخیص۔ یہ اصول وضابطہ کی بات ہے جس سے کسی شعبہ زندگی میں انحراف نہیں کیا جاسکتا۔

عصر حاضر میں اجتہاد کے لئے صحیح طریقہ کار:

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں مختلف شعبہ زندگی کے مسائل اور خود علوم وفنون اس قدر وسعت اختیار کرگئے ہیں کہ ایک انسان کا ساری زندگی کوشش کرکے بھی کسی شعبہ علم میں کامل مہارت حاصل کرپانا مشکل ہے۔ ظاہری امر سے ان متنوع، مختلف شعبوں کے مسائل پر بصیرت کے ساتھ غور وفکر اور اجتہاد کرکے مسائل کے حل کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا کسی بڑے سے بڑے عالم ومفتی کے لئے مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے یہ کام ماہرین علوم شریعت کی ایک وسیع مجلس (Acadmy) ہی انجام دے سکتی ہے اور اسے بھی ضرورت ہوگی کہ وہ ماہرین قانون اور ہر شعبہ علم وفن کی منتخب شخصیات کو متعلقہ شعبہ کے مباحث میں شریک کریں اصحاب فکر ونظر نے اس مشکل کا حل اجتماعی اجتہاد کی صورت میں تجویز کیا اور یہ کوئی نئی تجویز نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے طرز اجتہاد کا احیاء ہے جن میں فقہا وماہرین کی ایک بڑی جماعت مشاورت اور اجتماعی بحث ومباحثہ کی صورت میں مسائل کے استنباط واستخراج کے مراحل کو تکمیل تک پہنچاتی ہے اور اسی اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ مستنبط ہونے والے احکام ومسائل فقہ حنفی کا بنیادی ذخیرہ ہیں۔ اسلئے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ امام اعظم کے طرز اجتہاد کو زندہ کرتے ہوئے اہل علم اور ماہرین کی ایک ایسی کونسل قائم کی جائے جو نہ صرف یہ کہ غیر سرکاری ہو بلکہ اقتدار کی کشمکش اور گروہی سیاست کی ترجیحات سے بے نیاز اور بالاتر ہوکر اس میں دینی علوم کے مختلف شعبوں کے چوٹی کے ماہرین کیساتھ ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں سے عملی تعلق رکھنے والے تجربہ کار ماہرین کو بھی شریک کیا جائے اور باہمی بحث وتمحیص اور اجتماعی مشاورت کے ذریعہ مسائل حاضرہ کا حل تلاش کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ دور تخصصات کا ہے تمحیص ماخذ (قرآن، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، اجماع، قیاس وغیرہ وغیرہ) کے اعتبار سے علوم شرعیہ پر یکساں مہارت رکھنے والے حضرات کا ملنا نہایت مشکل ہوتا جارہا ہے اور اگر محل (جس شعبہ میں اجتہاد درکار ہو تجارت، اقتصادیات، (بقیہ صفحہ نمبر ۴۶ پر)